سیّد مودودی اور ان کے پیش رو علّامہ اقبال

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو علّامہ محمد اقبالؒ کے انتقال کے وقت مولانا مودودیؒ کی عمر تقریباً ۳۵ سال تھی۔ یہ عین ان کی جوانی کا زمانہ تھا اور وہ اپنے افکار ونظریات کو بڑی حد تک مرتب کر چکے تھے، جن کی بنیاد پر انھوں نے آگے چل کر ایک فکری و نظریاتی تحریک کا آغاز کیا۔ ہمارا خیال ہے کہ مولانا کی مذکورہ تحریک کے پس منظر میں اقبالؒ کے افکار بڑے بھرپور طریقے سے کارفرما رہے ہیں اور اسی طرح دونوں شخصیات کے درمیان فکر ونظر کی گہری ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

شخصی حوالے سے دیکھا جائے تو علّامہ اقبالؒ سے مولانا مودودیؒ کی پہلی ملاقات جنوری ۱۹۳۰ء میں ہوئی، جب علّامہ، مدراس [چنائے] میں تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ کے سلسلے کے تین انگریزی لیکچر (خطبات) دینے کے بعد، بنگلور اور میسور سے ہوتے ہوئے حیدرآباد دکن پہنچے اور وہاں بھی تین خطبے دیے۔ سیّد صاحب اس وقت حیدرآباد ہی میں تھے۔ انھوں نے خطبات سنے تھے۔ ممکن ہے آخر میں کچھ سوال جواب بھی ہوئے ہوں، اور نوجوان سیّد نے کوئی استفسار بھی کیا ہو۔ یہ بعید از قیاس نہیں کیوں کہ سیّد مودودی اپنی عمر کے (۲۶ سال کے) نوجوانوں کی نسبت مشرقی و مغربی علوم کا بہت زیادہ مطالعہ کیے ہوئے تھے۔ مولانا مودودیؒ نے خود لکھا ہے: ''میری ان سے پہلی ملاقات وہاں [حیدرآباد دکن میں] ہوئی، دوسری ملاقات فروری مارچ ۱۹۳۷ء میں (خطوطِ مودودی، دوم، ص ۶۹) اور تیسری ملاقات [ستمبر یا] اکتوبر ۱۹۳۷ء (ایضاً، دوم، ص ۱۲۰) میں [لاہور میں] ہوئی۔

۱۹۳۷ء میں ہونے والی ان ملاقاتوں کا پس منظر یہ تھا کہ ایک دردمند مسلمان چودھری نیاز علی خاں (م: ۲۴ فروری ۱۹۷۶ء) نے اپنی جایداد واقع سرنا، جمال پور، پٹھان کوٹ، ضلع گورداس پور

کا ایک حصّہ خدمتِ دین کے لیے وقف کر کے وہاں ایک درس گاہ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، اور اس سلسلے میں متعدد زعما اور علما سے راہ نمائی چاہی، جن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، علّامہ اقبالؒ، سیّد سلیمان ندویؒ، عبدالماجد دریابادیؒ اور سیّد مودودیؒ شامل تھے۔ [1]

مولانا مودودی نے علمی کام کا ایک تفصیلی نقشہ بنا کر چودھری نیاز علی صاحب کو پیش کیا۔ چودھری صاحب نے اس علمی منصوبے سے علّامہ اقبال کو آگاہ کیا۔ انھوں نے اسے پسند کیا اور فرمایا کہ ''اس وقت کرنے کے یہی کام ہیں'' (سیّارہ، لاہور، اقبال نمبر، مدیر: نعیم صدیقی، ۱۹۶۳ء)۔

دراصل علّامہ اقبالؒ اس زمانے میں مولانا مودودیؒ کے نام اور ان کی فکر سے واقف ہو چکے تھے۔ ماہ نامہ ترجمان القرآن، حیدرآباد دکن اوائل ہی سے علّامہ کے ہاں جاتا تھا۔ سیّد مودودی کے دورِ ادارت میں بھی رسالہ ان کے نام جاری رہا۔ سیّد نذیر نیازی کے مطابق، علّامہ مرحوم ترجمان القرآن بڑے غور سے پڑھا کرتے تھے۔ دراصل علّامہ، معروف مؤرخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی سے ہندستان میں مسئلہ جہاد کی تاریخ لکھوانا چاہتے تھے۔ (انوار اقبال، مرتب: بشیر احمد ڈار، اقبال اکادمی، پاکستان، کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۳۱۸)۔ اب جو اُنھیں، الجہاد فی الاسلام پڑھنے یا پڑھوا کر سننے کا موقع ملا تو وہ سیّد مودودی سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے چودھری نیاز علی خاں سے کہا: [میں نے ترجمان القرآن] کے دو مضامین پڑھے ہیں۔ دین کے ساتھ ساتھ وہ [یعنی مولانا مودودی] مسائل حاضرہ پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ ان کی کتاب الجہاد فی الاسلام مجھے بہت پسند آگئی ہے'' (ہفت روزہ ایشیا، لاہور، مدیر: چودھری غلام جیلانی، ۷/اپریل ۱۹۶۹ء)۔ ''اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے معذرت خواہانہ لہجہ اختیار نہیں کیا بلکہ جنگ و جہاد کے متعلق اسلام کے جو نظریات ہیں، انھیں کسی تاویل یا تعبیر کے بغیر بڑے کرّ و فر سے پیش کیا ہے'' (ہفت روزہ چٹان، لاہور، مدیر: آغا شورش کاشمیری، ۲۵/اپریل ۱۹۵۴ء، بحوالہ اقبال اور مودودی، مرتبہ: ڈاکٹر سفیر اختر، ص ۱۹)۔ چنانچہ انھوں نے چودھری نیاز علی خاں سے کہا: ''آپ کیوں نہ انھیں دارالاسلام آنے کی دعوت دیں۔ میرا خیال ہے، وہ دعوت

---

[1] چودھری نیاز علی خاں اور مولانا مودودی کی باہمی خط کتابت کے لیے دیکھیے: سیّد اسعد گیلانی کی تصنیف اقبال، دارالاسلام اور مودودی۔ اسلامی اکادمی لاہور، ۱۹۷۸ء

قبول کرلیں گے‘‘ (ہفت روزہ ایشیا، ۱۷/اپریل ۱۹۶۹ء)۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: ’’یہ مجھے بعد میں نذیر نیازی صاحب سے معلوم ہوا کہ علّامہ مرحوم ترجمان القرآن بڑے غور سے پڑھا کرتے تھے اور انھوں نے الجہاد فی الاسلام پڑھ کر سنی تھی (اقبال اور مودودی، ص ۶۳)۔ یوں بقول چودھری نیاز علی خاں: ’’حضرتِ علّامہ کی نظرِ جوہرشناس بھی سیّدصاحب پر جاپڑی‘‘۔ (صحیفہ، اقبال نمبر، مدیر: ڈاکٹر وحید قریشی، مجلس ترقی ادب، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۳ء)

خود علّامہ اقبال نے ادارے کی سربراہی کے لیے مولانا مودودیؒ کا نام تجویز کیا۔ مولانا فرماتے ہیں: ’’۱۹۳۷ء کے آغاز میں ان کا عنایت نامہ ملا کہ مَیں حیدرآباد کو چھوڑ کر پنجاب چلا آؤں‘‘ (سیارہ، اقبال نمبر، فروری ۱۹۷۸ء)۔ پھر چودھری نیاز علی خاں نے بھی مسلسل اصرار کیا اور مولانا کو دعوت دی کہ وہ دکن سے ہجرت کرکے لاہور آجائیں۔ چنانچہ فروری مارچ ۱۹۳۷ء میں مولانا مودودیؒ لاہور آئے اور جیسا کہ اُوپر ذکر آچکا ہے کہ علّامہ اقبالؒ سے ملے اور دو تین نشستوں میں تفصیلی تبادلۂ خیالات ہوا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی مولانا مودودیؒ، علّامہ اقبالؒ اور ان کی شاعری سے بخوبی واقف تھے اور فکری سطح پر بہت قربت محسوس کرتے تھے۔ اب اس قربت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ مولانا مودودیؒ کہتے ہیں: ’’ان ملاقاتوں میں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میری اور ان کی بہت پرانی واقفیت ہے اور ہم ایک دوسرے کے دل سے بہت قریب ہیں۔ یہاں میرے اور اُن کے درمیان یہ بات طے ہوگئی کہ میں پنجاب منتقل ہوجاؤں اور پٹھان کوٹ کے قریب اس وقف کی عمارات میں، جس کا نام ہم نے بالاتفاق 'دارالاسلام' تجویز کیا تھا، ایک ادارہ قائم کروں، جہاں دینی تحقیقات اور تربیت کا کام کیا جائے‘‘ (ایضاً)۔ بہرحال، ان ملاقاتوں کے بعد مولانا مودودی دکن کو چھوڑ کر پنجاب آنے کے لیے بالکل یکسو ہوگئے اور انھوں نے دکن سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔

لاہور سے واپس دکن پہنچے تو انھوں نے چودھری نیاز علی خاں کو جو خط لکھا، اس میں بتایا کہ میں نے یہاں پہنچتے ہی ہجرت کی تیاری شروع کردی ہے۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ علّامہ اقبالؒ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ یہاں آجائیں تو میں بھی ہر سال کچھ ہفتوں کے لیے یہاں آیا کروں گا۔ کچھ مشترکہ علمی منصوبے طے ہوئے تھے۔ اس کام کو وہ بلاتاخیر آگے بڑھانا چاہتے تھے۔

اس سلسلے میں مولانا مودودیؒ کا ایک خط ڈاکٹر سیّد ظفرالحسنؒ (جو علی گڑھ یونی ورسٹی میں شعبۂ فلسفہ کے پروفیسر تھے) کے نام لائقِ توجہ ہے، اس میں مولانا نے یہ بتایا تھا کہ میرے اور علّامہ اقبالؒ کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں۔ یہ خط اقبالؒ کی وفات کے بعد جون ۱۹۳۸ء میں لکھا گیا۔ اس وقت تک ایک ادارہ 'دارالاسلام' کے نام سے قائم ہو چکا تھا، اور کچھ افرادِ کار اس سے منسلک تھے۔ ڈاکٹر سیّد ظفرالحسن نے بھی اس کی شوریٰ کی رکنیت قبول کر لی تھی۔ ان کے نام خط میں مولانا نے لکھا:

- ''آپ نے ہماری معنوی قوت میں بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے'' اور پھر بتایا کہ ''اکتوبر ۱۹۳۷ء میں خاص طور پر انھی مسائل پر بحث کرنے کے لیے مَیں علّامہ اقبالؒ سے لاہور میں ملا تھا..... ان سے مفصل گفتگو ہوئی تھی۔ خوب غور و خوض کے بعد جس نتیجے پر پہنچے، وہ مختصراً مَیں یہاں عرض کرتا ہوں:
- ''حالات کی رفتار نے خود بخود مسلمانوں کو گھیر گھیر کر ایک اجتماعی ہیئت کی طرف لانا شروع کر دیا ہے۔ ہندستان کے مختلف حصوں میں ان کو جو پیہم ضربات لگ رہی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف سے بھاگ بھاگ کر مسلم لیگ کی طرف آ رہے ہیں۔ اگرچہ ابھی تک ان میں ایک تنظیمی ہیئت پیدا نہیں ہوئی ہے، جو فکر اور وحدتِ عمل کا نتیجہ ہوتی ہے بلکہ درحقیقت ان کے سامنے اپنا نصب العین بھی واضح نہیں ہے۔ مختلف خیالات، مختلف مقاصد اور مفادات اور خصائل رکھنے والے لوگ اس طرح جمع ہو گئے ہیں جیسے جنگل میں آگ لگنے پر مختلف گلے ہر طرف سے بھاگ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، تاہم یہ تنظیمی ہیئت پیدا کرنے کا ابتدائی مرحلہ ہے اور اس وقت کوئی الگ جھنڈا بلند کرنا، بجاے مفید ہونے کے، اس تالیفی عمل میں مانع ہو جائے گا جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔
- ''مسلم لیگ کے مرکز پر جو طاقتیں جمع ہو رہی ہیں، ان کے بنیادی نقائص کو دُور کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کے تصورات میں جو ابہام اس وقت پایا جاتا ہے، اس کو دُور کیا جائے تاکہ واضح طور پر اس موجودہ پوزیشن کو سمجھ لیں اور اپنی ایک قومی غایت متعین کر لیں۔ یہ چیز جتنی زیادہ واضح ہوتی جائے گی، اتنی ہی تیز رفتاری کے ساتھ عامۃ المسلمین کا ترقی پسند اور اقدام پسند عنصر مسلم لیگ کی صفوں میں آگے بڑھتا جائے گا، اور خودغرض، نمایشی اور

آرام طلب عناصر پیچھے رہ جائیں گے۔ اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے وہ تمام بے چین عناصر جو محض مسلم لیگ کی بے عملی سے بے زار ہوکر مختلف راستوں پر بھٹک گئے ہیں، رفتہ رفتہ پلٹنے شروع ہوجائیں گے، اور تھوڑی مدت بھی نہ گزرے گی کہ یہ جماعت جمہور مسلمین کی ایک مرکزی جماعت بن جائے گی۔

- ''سردست ہم مسلم لیگ سے، اس سے بڑھ کر کوئی توقع نہیں کرسکتے کہ وہ موجودہ غیر اسلامی نظامِ سیاست میں مسلمانوں کی قومی پوزیشن کو بیش از بیش محفوظ کرنے کی کوشش کرے گی۔ ہمارے لیے صحیح پالیسی یہ ہے کہ rear guard میں رہیں اور ایک طرف تو اپنے خیالات کی اشاعت سے مسلم لیگ کو بتدریج اپنے نصب العین کے قریب تر لانے کی کوشش کرتے رہیں اور دوسری طرف مردانِ کار کی ایسی طاقت ور جماعت تیار کرنے میں لگے رہیں جو دارالاسلام کی فکری بنیاد بھی مستحکم کرے اور اس مفکورے کو جامۂ عمل پہنانے کے لیے بھی مستعد ہو۔ جب تک یہ انقلابی جماعت میدان میں آنے کے لیے تیار ہوگی، اس وقت تک ان شاءاللہ میدان ہموار ہوچکا ہوگا کیونکہ انقلابی تصورات کی تبلیغ سے ہم پہلے ہی مسلمانوں کے کارکن اور کارفرما عناصر کو اپنے سے قریب تر لاچکے ہوں گے''۔ (مجلہ المعارف، مدیر: سراج منیر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، اپریل ۱۹۸۵ء/ خطوطِ مودودی، دوم، ص ۱۹۸-۲۰۴)

اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ علّامہ اقبالؒ اور سیّد مودودیؒ کے درمیان بہت سے علمی مسائل اور فقہ اسلامی کی تشکیل کے منصوبے کے ساتھ دیگر موضوعات بھی زیر بحث آئے ہوں گے اور اس وقت ہندستانی سیاست کا جو نقشہ مرتب ہو رہا تھا، اس پر بھی تبادلۂ خیال ہوا ہوگا۔

مولانا دکن سے ہجرت کرکے ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو جمال پور (پٹھان کوٹ) پہنچے۔ ایک نئی جگہ اور نئے مکان میں، اپنا سازوسامان اور متفرق معاملات ترتیب دے رہے تھے کہ نذیر نیازی نے ۱۸/اپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور سے انھیں ایک خط لکھا: ''ڈاکٹر صاحب قبلہ کی حالت نہایت اندیش ناک ہے۔ ایک لمحے کا بھی بھروسا نہیں۔ بہتر یہی ہوگا کہ آپ جس قدر ہوسکے جلدی تشریف لے آئیں'' (خطوطِ مودودی، دوم، ص ۱۹۰)۔ ڈاک سے خط ۱۹ یا ۲۰/اپریل کو پہنچا ہوگا۔

مولانا نے لاہور کا عزم کیا ہی تھا کہ اگلے روز خبر ملی کہ 'علّامہ ۲۱/اپریل کو فوت ہو گئے'۔

مولانا مودودیؒ نے اقبال کی وفات پر اپنے دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس کام کے لیے میں بالکل اکیلا رہ گیا ہوں جو ہم نے مل کر کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اب معلوم نہیں وہ کس طرح سے ہوگا؟ نذیر نیازی کے نام ایک خط (مؤرخہ ۲۳/اپریل ۱۹۳۸ء) میں لکھتے ہیں:

- علّامہ اقبال کے انتقال کی خبر پہنچی، دفعتاً دل بیٹھ گیا۔ سب سے زیادہ رنج مجھے اس بنا پر ہوا کہ کتنا قیمتی موقع میں نے کھو دیا..... میں اس کو اپنی انتہائی بدنصیبی سمجھتا ہوں کہ اس شخص کی آخری زیارت سے محروم رہ گیا، جس کا مثل شاید اب ہماری آنکھیں نہ دیکھ سکیں گی''۔ (وثائق مودودی، ص ۹۶ / خطوطِ مودودی، دوم، ص ۱۸۹)

اسی خط میں لکھتے ہیں کہ:

- ''کچھ خبر نہیں، اللہ کو کیا منظور ہے۔ بظاہر تو ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ مسلمان قوم کو اس کی ناقدری اور نااہلی کی سزا دی جارہی ہے کہ اس کے بہترین آدمی عین اس وقت پر اُٹھا لیے جاتے ہیں، جب ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اب سارے ہندستان پر نگاہ ڈالتا ہوں تو کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کی طرف ہدایت حاصل کرنے کے لیے رجوع کیا جاسکے۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی ہے، ایک شمع جو ٹمٹما رہی تھی، وہ بھی اُٹھا لی گئی۔
- ''مجھے جو چیز پنجاب کھینچ کر لائی تھی، وہ دراصل اقبالؒ ہی کی ذات تھی۔ میں اس خیال سے یہاں آیا تھا کہ ان سے قریب رہ کر ہدایت حاصل کروں گا اور ان کی رہنمائی میں جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا، اسلام اور مسلمانوں کے لیے کروں گا۔ اب میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ اس طوفانی سمندر میں، میں بالکل تنہا رہ گیا ہوں، دل شکستگی اپنی آخری انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ صرف اس خیال سے اپنے دل کو ڈھارس دے رہا ہوں کہ اقبالؒ مر گئے تو کیا ہوا، خدا تو موجود ہے، سب مرجانے والے ہیں، زندہ رہنے والا وہی حی و قیوم ہے، اور اگر وہ تجھ سے کوئی کام لینا چاہے گا تو تیری مدد کے لیے اور کچھ سامان کرے گا''۔ (خطوطِ مودودی، دوم، ص ۱۸۹-۱۹۱)

علّامہ اقبال کی وفات کے بعد مولانا مودودیؒ نے جس تحریکِ اسلامی کا احیا کیا، وہ رفتہ رفتہ پھیلتی گئی۔ اس کی توسیع و ترقی، کامیابی اور فروغ میں کلامِ اقبالؒ کی فکری راہ نمائی کا بھی بڑا دخل ہے۔

حیاتِ اقبال کے آخری دنوں کی معروف رباعی ہے:

سُرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟ نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سرآمد روزگارِ ایں فقیرے دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

(اب گذشتہ سُرود واپس آئے یا نہ آئے؟ حجاز کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلے نہ چلے؟ اس فقیر [اقبال] کی زندگی تو ختم ہوئی، اب کوئی اور راز آشنا آئے یا نہ آئے؟)

بعض اصحاب کا خیال ہے اور بجا ہے کہ 'دگر دانائے راز' کا مصداق سیّدابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔ چنانچہ رزمی امروہوی 'مردِامروز' کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں:

روحِ اقبال از برائش مے تپید آں دگر دانائے راز آمد پدید
چشم حق بیں اندریں عصرِ جدید ہم سرِ سیّد ابوالاعلیٰ ندید

(اقبال کی روح اس کے لیے تڑپتی تھی، ایک دوسرا دانائے راز وجود میں آئے۔ حق بیں آنکھ [لوگوں] نے دورِحاضر میں سیّدابوالاعلیٰ مودودی جیسے مقام و مرتبے والا کوئی اور شخص نہیں دیکھا)

(ماہ نامہ چراغ راہ، کراچی، اکتوبر و نومبر ۱۹۵۳ء، ص ۴۵)

جماعت اسلامی کے علاوہ بیسویں صدی میں جو اسلامی تحریکیں دوسرے ممالک میں برپا ہوئی ہیں اور پھر عالمِ اسلام میں بیداری کی جو لہریں پیدا ہوئیں (تاحال آخری: عرب بہار)، ان میں مولانا مودودیؒ اور علّامہ اقبالؒ دونوں کا بڑا اثر ہے۔ عربوں میں حسن البنا اور سیّد قطب۔ انقلابِ ایران میں آیت اللہ خمینی اور علّامہ اقبالؒ کی شاعری اور سیّد مودودیؒ کی نثر کے اثرات کا خود ایرانی دانش ور اور علما اعتراف کرتے ہیں۔ اسی طرح وسطی ایشیا کے مسلم ملکوں میں مجاہدین افغانستان اور اسلامی بیداری میں اقبال کے فارسی کلام (تیز ترک گامزن، منزلِ ما دور نیست) اور سیّد مودودی کے تراجم کے اثرات بھی برگ و بار لائے۔

اسلامی بیداری کی یہ صورتِ حال دونوں اکابر کی توقعات کے عین مطابق ہے۔ اِس وقت 'گیا دورِ گراں خوابی' کے بعد 'اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے' کی سی کیفیت ہے۔ مجموعی

طور پر علّامہ اقبالؒ اور سیّد مودودیؒ، دونوں عالمِ اسلام کی بیداری اور تجدید و احیاے دین کے بارے میں بہت پُراُمید تھے۔ علّامہ اقبالؒ، چودھری محمد حسین کے نام ۲/اکتوبر ۱۹۲۲ء کے خط میں لکھتے ہیں: ''اسلام، خلفا کے زمانے کی طرف آ رہا ہے۔ خدا نے چاہا تو خلافتِ اسلامیہ اپنے اصل رنگ میں عنقریب نظر آئے گی'' (چودھری محمد حسین اور علّامہ اقبال، تحقیقی مقالہ ایم اے اُردو، ثاقف نفیس، ۱۹۸۴ء، ص ۶۵)۔ اسی طرح نور حسین کو ۱۷ مارچ ۱۹۳۷ء کے خط میں لکھتے ہیں: ''گذشتہ دس پندرہ سال میں کئی لوگوں نے مجھ سے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے حضورِ رسالت مآبؐ کو جلالی رنگ میں یا سپاہیانہ لباس میں خواب میں دیکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ علامت احیاے اسلام کی ہے''۔ (انوار اقبال از بشیر احمد ڈار، ص ۲۱۶)

اس طرح کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیداری کی لہر اور احیاے اسلام کی تحریکوں کا برپا ہونا علّامہ اقبالؒ کی بصیرت میں موجود تھا اور وہ اس معاملے میں بڑے پُرامید تھے۔ سیّد مودودی نے بھی ایک موقعے پر کہا تھا: ''جس طرح یہ بات یقینی ہے کہ کل صبح سورج مشرق سے طلوع ہوگا، بالکل اسی طرح مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام غالب آئے گا''۔ بہرحال، ''اقبال کی فکری تحریک سے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے احیاے اسلام کے کام کو آگے بڑھایا'' (ڈاکٹر ممتاز احمد، فنون لاہور، مدیر: احمد ندیم قاسمی، بحوالہ: اوراقِ گم گشتہ، از پروفیسر رحیم بخش شاہین، ص ۸۷)۔

جب بھی ہم مولانا مودودیؒ کی فکر پر گفتگو یا بحث کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ فکرِ مودودیؒ دراصل فکرِ اقبالؒ ہی کا تسلسل اور اس کی توسیع ہے، اور جیسا کہ اُوپر ذکر آچکا ہے، مختلف ممالک کی اسلامی تحریکوں کی پیش رفت میں اقبال اور سیّد مودودی دونوں کے اثرات کارفرما ہیں۔ علّامہ اقبالؒ نے بجا طور پر کہا تھا:

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے نُورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے